ڈاکٹر محمد افضال بٹ

استاد شعبہ اردو،

گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

اردو تنقید قیام پاکستان کے بعد (ایک جائزہ)

Dr. Muhammad Afzal Butt

Head, Urdu Department,

Government College Women University, Sialkot.

Criticism, Pakistani Literature, Urdu

Political and social variations cast deep influence on Urdu literature and criticism after sub-continent partition Taraqi pasand Tehreek and Halqa arbab-e-zooq promoted the Urdu criticism in their own way after the creation of Pakistan progressive journey of Urdu literature and criticism kept on in spite of ban on Taraqi pasand Tehreek and division of Halqa arbab-e-zooq in two halves.

''آزادی کا دیا پوری طرح روشن بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فسادات کے نام سے برق و باد نے گھیر لیا۔ گاؤں کے گاؤں اور شہر کے شہر قتل و غارت کی آندھیوں میں تنکوں کی طرح اڑ گئے، بادلوں سے پانی کی بجائے خون برسنے لگا۔ گلی کوچے اور بستیاں ڈوب گئیں۔ سارے رشتے آن کی آن میں منقطع ہو گئے۔۔۔۔ کمینگی درندگی، حرص و ہوس، لوٹ مار اور قتل و غارت کا ایسا بازار گرم ہوا کہ تہذیب انسانی پانی پانی ہو گئی''۔۱

کچھ اسی طرح کا نقطۂ نظر پروفیسر احمد جاوید نے اپنے مضمون پاکستانی افسانے میں پیش کیا ہے۔

''تقسیم کا پہلا نتیجہ لاکھوں انسانوں کی نقل مکانی تھی قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ لوٹ مات ہوئی اور عصمتوں پر حملے ہوئے وہ ہوا کہ جس کا نظارہ چشم حیرت نے اس خطے میں اس سے قبل اس طرح نہیں کیا تھا''۔۲

تقسیم ہند برصغیر کی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ تھا۔اس تقسیم نے جہاں عام آدمی کو بہت زیادہ متاثر کیا وہیں اردو ادب وتنقید پر بھی بڑے دوررس اثرات مرتب کیے۔اس پرآشوب دور میں اردو کے مسلم و غیر مسلم ادبا نے متحد ہوکر انسانوں کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کی ادیب اور شاعر معاشرے کا حساس ترین طبقہ ہوتا ہے اس لیے ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس مشکل دور میں اپنے ہوش وحواس قائم رکھتے ہوئے ایسا ادب تخلیق کرتے جس میں تنگ نظری اور تعصّبات کی جھلک دکھائی نہ دیتی۔اپنے قلم سے انسانیت کو دوبارہ صحت منداور پرامن زندگی بسر کرنے کی ترغیب دینے کی کوشش کرتے۔

اس دور میں ادب کا اصل موضوع فسادات اور ہجرت ہی تھا۔اس عہد کے سماجی اتار چڑھاؤ اور ریوں میں یکسر تبدیلی کو شاعروں اور ادیبوں نے اپنی تحریروں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیا۔ہجرت کا کرب،طبقاتی کش مکش اور تہذیبی مسائل سے دوچار انسان اپنی پہچان کا متلاشی دکھائی دے رہا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ادب کے ساتھ ساتھ تنقید بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

قیام پاکستان سے قبل اردو تنقید کو کسی تحریک یا پلیٹ فارم کی ضرورت رہی ہے۔ابتداء میں تنقید سرسید تحریک کے زیر اثر تذکروں میں نمودار ہوئی جب کہ بیسویں صدی میں ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق نے اسے مزید وسعت دی۔ اس طرح اردو ادب میں جدید تخلیقات،تنقید کے عملی وفکری رویے اور نظریے مغرب کی وساطت سے ہم تک پہنچے۔آزادی تک تنقید ایک ایسی شکل اختیار کرچکی تھی جس میں مشرق ومغرب کے رویوں کا امتزاج موجود تھا۔اردو میں مختلف تنقیدی دبستان بھی واضح ہوچکے تھے۔جن کی الگ الگ شناخت ممکن تھی۔

اردو تنقید میں ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کی بحثیں چل رہی تھیں ترقی پسند تحریک نے ادب برائے زندگی کو اپنا شعار بنا کر رکھا تھا جب کہ حلقہ ارباب ذوق کا نظریہ ادب کو جمالیات کے تناظر میں قائم کرنا تھا۔ حلقے نے موضوعات کی حد بندی کو مسترد کردیا تھا۔وہ صرف ادبی،فنی اقدار اور جمالیاتی اقدار کی پاسداری کا مطالبہ کرتا تھا۔تقسیم ہند کے بارے میں دونوں تحریکوں سے وابسطہ افراد کا رویہ بے اعتمنائی پر مشتمل تھا۔جس کی وجہ یہ تھی کہ ہزاروں سال سے متحد ایک قطعہ ارضی کا مذہبی بنیاد پر دو حصوں میں منقسم ہوجانا تھا۔حلقہ ارباب ذوق اور ترقی پسند تحریک سے وابسطہ ہر دوسوچ کے حامل لکھاریوں کے خیال میں مذہب انسانی زندگی میں زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ان لوگوں نے تقسیم ہند کو کھلے دل سے قبول نہیں کیا تھا۔

> ''قیام پاکستان کے وقت ترقی پسند تحرٔیک پورے دم خم کے ساتھ موجود تھا اور اچھا لکھنے والوں کی ایک مؤثر تعداد سے وابستہ تھی۔ترقی پسند تحریک نے موضوعات ہی کو وسعت نہیں دی بلکہ بیانیہ حقیقت نگاری میں بھی متنوع تجربات کے دروازے کھول دیے نئی ادبی بحثوں اور عام طبقے کی نمائندگی نے تفہیم وترسیل کے نئے معیار متعارف کرائے''۔[۳]

تقسیم کے وقت اردو ادب ہو یا تنقید دونوں پر ترقی پسند تحریک کا راج تھا مگر ترقی پسند تحریک کی ہٹ دھرمی اور دھڑے بندی کی وجہ سے اسی تحریک سے وابستہ نقاد محمد حسن عسکری نے بروقت اپنے لیے ایک نئی راہ کا انتخاب کر لیا۔ عسکری نے متحدہ ہندوستان کے آخری دور میں ماہنامہ ''ساقی'' دہلی میں ''جھلکیاں'' کے عنوان سے کالم نگاری کا آغاز کر دیا تھا۔ان کی تحریروں میں یورپ کے ایسے رجحانات پروان چڑھے جو ترقی پسند تحریک کی ضد تھے۔اس لحاظ سے محمد حسن عسکری کے نظریے میں پاکستانی ادب کی تحریک نے جنم لیا۔

> ''محمد حسن عسکری کو ترقی پسند مصنفین سے بہت سی شکایتیں تھیں یہ شکائتیں نظریاتی بھی تھیں اور ادبی گروہ کا شاخصانہ بھی تھیں یہی سبب ہے کہ۔۔۔۔انھوں نے اپنا ایک الگ نقطہ نظر بنا لیا تقسیم کے بعد جب نقل مکانی کا عمل ہوا تو ایسے ادبا جو نقل مکانی کر کے آئے تھے ان کے لیے بالخصوص یہ نقطہء نظر ایک پناہ گاہ کی صورت اختیار کر گیا۔ پاکستانیت کا یہ تصور ایک طرف تو ترقی پسند ادب کے غلبے سے نکلنے کا راستہ دکھاتا تھا تو دوسری طرف مشترکہ روایت میں سے اپنے لیے ایک لاگ راہ بنانے کی سبیل بتاتا تھا''۔[۴]

محمد حسن عسکری کی تحریروں میں ترقی پسندی سے اصولی اختلاف نمایاں طور پر نظر آتا تھا اس طرح انھوں نے اردو تنقید میں ایک نئی فکر کو جنم دیا۔اس فکر کی ترویج کے لیے بہت سے لوگ اپنے اپنے انداز میں اپنی بساط کے مطابق حصہ ڈالنے میں مصروف ہو گئے سعادت حسن منٹو کے ساتھ مل کر لاہور میں ایک جریدہ ''اردو ادب'' کے نام سے جاری کیا۔ اسی نظریے کے زیر اثر ایم ڈی تاثیر ''پاکستان مبارک'' کے عنوان سے ۲۸ جولائی ۱۹۴۷ء تا ۳۰ اگست ۱۹۴۷ء مضامین تحریر کیے۔ان مضامین میں نئی مملکت کے قیام کے بعد بہت سے نئے رویوں کے بارے میں بات کی گئی۔ان تمام معاملات کے باوجود اس حقیقت سے مفر نہیں کیا جا سکتا کہ ادب اور تنقید میں تقسیم سے قبل جو تحریکیں کارگر اور مؤثر تھیں انھوں نے اپنے وجود اور ادبی حیثیت کو بعد میں بھی برقرار رکھا۔

محمد حسن عسکری نے جس نظریے کی بنیاد رکھی رفتہ رفتہ اس نظریے کو فروغ دینے میں بہت سے اہم ناموں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ان اردو ناقدین میں سلیم احمد، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی، انتظار حسین، شمیم احمد، سراج منیر، امجد طفیل، ڈاکٹر سجاد رضوی، عزیز ابن الحسن، ڈاکٹر تحسین فراقی کے نام بہت اہم ہیں۔

محمد حسن عسکری نے اپنے نقطہ نظر میں پاکستانی ادب میں اسلامی تصورات کی ضرورت پر زور دیا۔ان کا خیال یہ تھا کہ ہمارا ادب اس وقت تک نیم مردہ رہے گا جب تک وہ اسلامی نظریہء حیات سے وابستہ نہ ہو جائے۔ایک طرف تو انھوں نے ادب اور اسلام کے ربط کو پاکستانی ادب کے لیے لازم قرار دیا تو دوسری طرف سرسید تحریک اور حالؔی کے نقطہء نظر سے اتفاق نہ کیا کیوں کہ دونوں نے اپنے نظریات میں پیروی مغرب اور انگریزی تہذیب سے اثر قبول کرنے کا پر

چار کیا تھا ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان ادبا کے ہاں مسلم طرز احساس کا در آنا قدرتی عمل تھا۔ ڈاکٹر آفتاب احمد کے مطابق

> ''پاکستان کے قیام نے مسلمان ادیبوں میں پھر اس قومی احساس کو ابھارا ہے وہ پھر اپنی قوم سے رشتہ جوڑنے لگے ہیں اس کا حترام کرنے لگے ہیں انھیں اپنی تمدنی وثقافتی روایات کے تحفظ اور ترقی کی فکر ہونے لگی ہے اصل میں تو پاکستان کا مطالبہ ہی اس بنا پر کیا گیا تھا کہ ہم اس کلچر کو زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ جو ہندوستان میں مسلمانوں کی بدولت پیدا ہوا۔ کیونکہ ہمیں یہ خوف تھا کہ متحدہ ہندوستان ایک معاندانہ ہندو اکثریت کا کلچر اسے برداشت نہیں کر سکے گا اور ہر حیلے بہانے سے اسے مٹانے کی کوشش کرے گا''۔۵

اردو تنقید میں ایک نیا موڑ آیا جب ایک گروہ نے اسلامی ادب کی تحریک کی آواز بلند کر دی۔ جس میں مذہب کو بنیادی اہمیت دی گئی جس کی بدولت انسانوں کے اخلاق کی تعمیر و تشکیل کرنا مقصود تھی اس تحریک میں ادب کو صرف اسلام کے اصول وضوابط میں رہتے ہوئے فروغ دینے پر زور دیا گیا اس سے وابستہ نقادوں میں ماہر القادری، نعیم صدیقی، پروفیسر اسرار احمد خان سہاروی، پروفیسر عبدالحمید اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

محمد حسن عسکری کی پاکستانی ادب کی تحریک ہو یا تحریک ادب اسلامی یہ دونوں تحریکیں ترقی پسند تحریک کے ردعمل کا نتیجہ تھیں۔ جب ترقی پسند تحریک پر پابندی لگی تو ان دونوں تحریکوں کا دائرہ کار بھی آہستہ آہستہ کم ہو گیا لیکن اس کے باوجود ان دونوں تحریکوں کے نظریات کی جھلک اب بھی ہمارے ہاں دیکھی جا سکتی ہے۔

متحدہ ہندوستان کے ادب میں ٹھراؤ تو نہیں آیا لیکن دوسری تحریکوں کے زیر اثر ادب وتنقید میں تبدیلیاں لازمی طور پر رونما ہوئیں جنھوں نے ادب وتنقید میں اپنا کردار ادا کیا لیکن یہ تحریکیں وہ مقام حاصل نہ کر سکیں جو ادب میں ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق کو حاصل ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ طرف ترقی پسند تحریک سمٹتی جا رہی تھی تو دوسری طرف حلقہ ارباب ذوق نے اپنے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھول دیے تھے۔ اس طرز عمل نے ادب پر بڑے گہرے اور مثبت اثرات مرتب کیے تھے۔ ترقی پسند تحریک سے متنفر لوگوں نے حلقہ ارباب ذوق کا پلیٹ فارم استعمال کر کے اپنی ادبی تشنگی کو دور کیا۔

ایسی صورت حال میں صرف اسی ادبی نظریے کو تقویت مل سکتی تھی جس میں اعتدال پسندی، کلاسیکیت، جدید ادب سے لگاؤ، جذبوں، رویوں اور قدروں کی پاسداری کا عمل دکھائی دیتا تھا۔ یہ تمام خوبیاں حلقہ ارباب ذوق میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ان تمام عناصر کی وجہ سے قیام پاکستان کے بعد ترقی پسند تحریک کی زوال پذیری کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ ترقی پسند نظریے سے وابستہ بڑے بڑے نام دھیرے دھیرے لاتعلق ہو گئے۔ یوں ترقی پسند تحریک کا گراف بلندی سے پستی کی طرف سفر کرنے لگا۔ علی سردار جعفری اس تمام صورت حال کو کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں

''آج ترقی پسند ادب پر ایک جمود سا طاری ہے حالانکہ اب بھی نئی چیزیں لکھی جا رہی ہیں نئے ادیب بھی آ رہے ہیں پھر بھی پچھلے ادوار کے مقابلے میں آج جمود ہے اور ہمیں سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے''۔۶

ان تمام باتوں کے باوجود ترقی پسند تحریک کے رویے میں کوئی لچک پیدا نہ ہوئی۔اس کے کرتا دھرتاؤں کے مزاج میں بھی کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی جس کا خمیازہ ترقی پسند تحریک کو بھگتنا پڑا۔ترقی پسندیدیت کی نظریاتی تنگ نظری اور اشتراکیت کا کھلم کھلا اظہار مملکت پاکستان سے ناسازگار تعلقات کا باعث بنے اور ایک ایسا وقت آیا کہ اس پر پابندی لگا دی گئی۔اس کے بعد ترقی پسند تحریک سے وابستہ افراد نے حلقہ ارباب ذوق کے پلیٹ فارم کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ وہ ادیب جو ترقی پسند تحریک کے روح رواں تھے انھوں نے تحریک سے لاتعلقی کا اظہار کر کے رہی سہی ساکھ کو مزید معدوم کر دیا۔خلیل الرحمٰن نے ترقی پسند تحریک کی مجموعی صورت حال کا بڑا اچھا تجزیہ پیش کیا ہے۔

''آخر ترقی پسند تحریک سمٹنے لگی اور اس کا دائرہ کار تنگ ہونا شروع ہوا۔ سعادت حسن منٹو تو بہت پہلے تحریک سے الگ کر دیے گئے تھا اب حیات اللہ انصاری قراۃ العین حیدر، عزیز احمد، خواجہ احمد عباس معین احسن جذبی، سہیل عظیم آبادی، علی عباس حسینی اور اس قبیل کے درجنوں پرانے اور نئے لکھنے والوں کے لیے تحریک کی فضا ناسازگار ہوگئی۔۔۔کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی اور فیض جیسے دو ایک ادیب جن میں تخلیقی توانائی باقی تھی انفرادی طور پر لکھتے رہے لیکن اب ترقی پسند تحریک ایسے ادیبوں سے خالی ہونے لگی جو باجماعت ہو کر ادب کا فریضہ سرانجام دیں''۔۷

ترقی پسند تحریک کو نامساعد حالات، پابندیوں اور مارشل لاء کے جبر کے باوجود ایسے افراد ملے جنھوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر تحریک کے وجود کو قائم رکھنے کی کوشش کی لگن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔اب بھی اس تحریک کے نام لیوا پاکستان میں موجود ہیں مگر وہ آب و تاب جس نے کبھی اس پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا قصہ پارینہ ہو چکی ہے۔مارکسی نظریات اور حکومتِ وقت سے ٹکراؤ کی پاداش میں جب اس تحریک کو زبردستی ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے ردعمل میں تحریک سے وابستہ لکھاریوں نے ہر قیمت پر تخلیقی اور تنقیدی سفر کو جاری رکھا۔

''ترقی پسند تنقید نے سائنسی شعور کو راہنما بنایا اور حسن کو افادیت کے ساتھ مشروط کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کی نقاد نے جذباتی لطافتوں کی نفی کرنی شروع کر دی۔ چنانچہ افسانہ میں صحافت اور شاعری میں نعرہ بازی کی حمایت ہونے لگی۔ ان کمزوریوں کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے کہ ترقی پسند تنقید نے ادب پارے کی تفہیم، تجربہ اور تشریح کا ایک نیا انداز پیدا کیا اور اس کی معنوی خوبیوں سے تنقید کے دوسرے دبستانوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔''۸

ترقی پسند تحریک کے پیروکار اس کی کھوئی ہوئی ساکھ کی بحالی کے لیے کوشاں تھے لیکن تحریک میں سیاست کے عمل دخل سے یہ تحریک زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی۔ اس صورت حال میں سیاست کی چھاپ کے خاتمے کے لیے ایک نئی انجمن ''آزاد خیال مصنفین'' کی داغ بیل ڈالی گئی لیکن یہ کوشش بھی رائیگاں گئی کیوں کہ اس کے قیام کو ترقی پسند تحریک کا حصہ شمار کر کے سرکاری سطح پر غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔

ملک میں طویل آمریت کی وجہ سے ترقی پسند تحریک کو بہت سی مشکلات اور پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۷۲ء میں جب ملکی سیاسی فضا تبدیل ہوئی تو ترقی پسند تحریک کو از سر نو منظم کرنے کی کوشش کی گئی۔ کراچی، لاہور اور پشاور میں تنظیم سازی کا عمل شروع کیا گیا اس کے علاوہ قدیم ترقی پسند ادیبوں کی صلاحیتوں سے بھی استفادہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ قدیم ترقی پسند ادیبوں کی صلاحیتوں سے بھی استفادہ کیا گیا۔ یہ اسی کا ثمر ہے کہ آج بھی تنظیمی سطح پر اس تحریک کا وجود برقرار ہے۔ اس تحریک کی اہمیت اور کارکردگی کے بارے میں ڈاکٹر بشیر سیفی تحریر کرتے ہیں:

''اس حقیقت سے سے روگردانی نہیں کی جا سکتی کہ ترقی پسند تحریک نے ادب میں زندگی اور تازگی کی لہر دوڑا دی۔ شاعری میں آزاد اور معریٰ نظم کا فروغ رپورتاژ کی صنف کا آغاز اور سائنٹیفک تنقید کا آغاز وارتقاء ترقی پسند تحریک کے کارنامے ہیں جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے ترقی پسند تحریک اردو کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔''۹

حلقہ ارباب ذوق کا تنقیدی سفر (قیام پاکستان کے بعد)

قیام پاکستان سے قبل حلقہ ارباب ذوق کے لاہور سے شروع سفر نے برصغیر پاک و ہند میں تین ادوار مکمل کر لیے تھے۔ یوں حلقہ ارباب ذوق اپنے آپ کو ایک مضبوط ادبی تحریک کی صورت میں ڈھل چکا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد چوتھے دور کا آغاز ہوا۔ جس میں فکری وفنی پختگی اور معیاری تنقیدی نقطہ نظر نمایاں انداز میں دکھائی دینے لگا۔ بعد میں بھی حلقہ ارباب ذوق نے تخلیقی وتنقیدی معیار برقرار رکھا۔ اس کی ایک بڑی وجہ حلقہ کا غیر سیاسی کردار تھا۔ حلقہ ارباب ذوق کے ادبا کا مطمع نظر صرف اور صرف ادب کی خدمت تھی۔ اسی وجہ سے حلقہ ارباب نے معیاری ادب تخلیق کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تنقیدی بصیرت کو وسعت بخشی۔

حلقہ ارباب ذوق کے چوتھے دور میں میرا جی کی موت حلقہ ارباب ذوق کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ ثابت ہوئی۔ میرا جی نے حلقے کو تخلیقی اور تنقیدی رویوں کو جدیدیت سے روشناس کروایا تھا۔ ان کی موت کے بعد حلقہ ادبی انقلاب کو فروغ دینے اور تحریک کو منظّم کرنے والی ہستی سے محروم ہو گیا تھا۔ وہ شخص جس نے ادب میں زندگی کی قدروں کو اہمیت دی اور صداقت وخلوص کے دامن کو ہمیشہ تحریک کا خاصہ قرار دیا۔ وہ ابدی نیند سو گیا۔ ان کی موجودگی میں حلقہ نے اردو تنقید میں فن کا جمالیاتی پہلو زیادہ نمایاں کر دیا۔

> ''حلقے نے فن میں حسن کی دائمی قدروں کو اجاگر کرنے کی سعی کی تھی۔ چنانچہ تنقید فن میں بھی یہی زاویہ حلقہ ارباب ذوق کا امتیازی نشان بن گیا..... حلقے کی تنقید میں فن کا جمالایتی پہلو زیادہ نمایاں ہوا اور تخلیقات سے ان زاویوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی جن سے عالمگیر انسانیت سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور روح ابتزاز اور بالیدگی کی کیفیت محسوس کرتی تھی۔''۱۰

جب کہ حلقہ ارباب ذوق کے قیام اور اس کی ادبی اہمیت کے بارے میں بڑے ہی تعجب کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر نے ادبی معجزہ قرار دیا ہے۔

> ''حلقہ ارباب ذوق کا ساٹھ برس تک فعال رہنا ادبی معجزہ سے کم نہیں کہ بالعموم ادبی رجحانات تخلیقی ملانات اور بسا اوقات ادبی تحریکیں اتنی حیات نہیں پاتیں مجھے اسے اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس کا کسی باضابطہ منشور کے تحت شعوری طور پر سے بطور تحریک آغاز نہ کیا گیا تھا اور سیاسی جماعتوں کی مانند اس کی کوئی لیڈر شپ نہ تھی۔ ہر سال انتخاب کے بعد اس کی قیادت تبدیل ہو جاتی ہے۔ سال بھر کے لیے اور پھر سال بعد انتخاب کے بعد نئی قیادت آجاتی ہے یوں جمہوری عمل کی بنا پر حلقہ زندہ رہا اور اسی جمہوری عمل کے باعث زندہ رہے گا۔''۱۱

ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق حلقہ ارباب ذوق کی پذیرائی جمہوری عمل کا نتیجہ ہے۔ جب کہ میرے خیال میں یہ بات درست نہیں کیوں کہ حلقے کو ادب برائے ادب کے نعرے نے فروغ دیا وہ ادب جو اپنے اندر اپنے عہد کا سماجی شعور پیش کرنے کی قدرت رکھتا تھا اور ادب برائے ادب کے اس نظریے نے نہ صرف اس کے معیار کو برقرار رکھا بلکہ ہمیشہ کے لیے حلقے کو امر کر دیا۔

حلقہ ارباب ذوق پر ملکی سیاسی اور سماجی حالات نے بھی اثرات مرتب کیے۔ سیاسی صورت حال، مارشل لاء کے قیام اور ترقی پسند تحریک پر پابندی نے حلقہ ارباب ذوق کو محتاط کر دیا۔ ان تمام حالات کے باوجود حلقہ ارباب ذوق نے اردو تنقید کی ترقی وترویج میں اپنا کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے حلقہ میں شمولیت نے اردو تنقید کو نئی جلا بخشی۔ حلقے کی تنقید میں بحث کا رواج پڑا تو اس کے نتیجے میں ڈاکٹر جمیل جالبی، سلیم احمد، ممتاز شیریں، انتظار حسین اور سجاد باقر رضوی جیسے

ناقدین نے تحریک کو مزید مضبوط کیا۔اس کے بعد مختار صدیقی، سید عابد علی عابد، آفتاب احمد خان، الطاف گوہر، اعجاز حسین بٹالوی اور وحید الدین احمد وغیرہ نے حلقے کے تنقیدی شعور کو مزید وسعت دی۔

اس عہد کے روح رواں نقاد ڈاکٹر وزیر آغا نے ادب کو انسانی تہذیب وثقافت کا مظہر قرار دیا۔ان کی کتاب ''اردو شاعری کا مزاج'' میں دھرتی سے جڑت کا تصور پیش کیا گیا ہے۔انھوں نے تنقید میں جدیدیت کے تصورات کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ نئی معنویت کو بھی پروان چڑھایا۔انھوں نے ادب وتنقید کی اشاعت کے سلسلے کو تیز کرنے کے لیے ''اوراق'' کا اجراء کیا۔اس رسالے کے ذریعے وزیر آغا نے نہ صرف جدیدیت کی فکری حد بندی کر کے اسے ایک سمت عطا کی بلکہ ساٹھ کی دہائی میں سامنے آنے والی نسل کی ذہنی اور فکری تربیت بھی کی۔ان کے تنقیدی شعور میں نئے لہجے اور فکری رویوں کی جھلک نمایاں دیکھی جا سکتی ہے۔

> ''ان کا جدید وقدیم علوم کا مطالعہ بے حد وسیع تھا اور انھیں فنون لطیفہ کی ہر شاخ سے بھرپور آگاہی تھی۔سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کی فکر میں بلندی اور تنقیدی وژن میں بے تعصبی اور کشادگی تھی..... وزیر آغا نے ایک بلند پایہ اور جدید نقاد ہی نہیں ایک ادبی رسالے کے مدیر کی حیثیت سے بھی اردو ادب میں جدیدیت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔''۱۲

ایک عرصہ تک حلقہ ارباب ذوق نے سیاست سے کنارا کش رہی لیکن بالآخر یہ تحریک بھی سیاست کی بھینٹ چڑھ کر دھڑے بندی کا شکار ہوگئی۔۱۹۷۲ء میں حلقہ ارباب ذوق دو حصوں میں بٹ گیا۔حلقے کی تقسیم نے دو مختلف نقطہ ہائے نظر کو فروغ دیا۔دونوں حصوں کے نظریات کے حامل افراد نے اپنی اپنی روش میں ادبی وتنقیدی سرگرمیوں میں کسی قسم کا کوئی ٹھہراؤ نہیں آنے دیا۔ان دونوں دھڑوں نے حلقہ ارباب ذوق کے ساتھ ایک اور لفظ کا اضافہ کر کے اپنی پہچان قائم کر دی۔

لاہور جو علم وادب کا گہوارا چلا آ رہا ہے اس کی فضا میں ایک ادبی تحریک کی چھتری کے سائے تلے دو دھڑے معرض وجود میں آ چکے تھے۔ایک دھڑے کو حلقہ ارباب ذوق ''ادبی'' جب کہ دوسرے کو حلقہ ارباب ذوق ''سیاسی'' کے نام سے پکارا جانے لگا۔حلقہ ارباب ذوق ''ادبی'' کی سرگرمیاں مجلس اعتبار سے پاک ٹی ہاؤس میں ہوا کرتی تھیں۔جب کہ دوسرے دھڑے نے وائے ایم سی اے میں اجلاس منعقد کرنا شروع کر دیئے تھے۔

''لاہور میں مدت ہوئی حلقہ ارباب ذوق دو حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے ایک حلقہ ارباب ذوق اپنے آپ کو ''ادبی'' کہتا ہے اور دوسرا ''سیاسی'' کے نام سے مشہور ہے۔ حلقہ ارباب ذوق ''ادبی'' پاک ٹی ہاؤس کی دوسری منزل پر محفل جماتا ہے اور ''سیاسی'' وائے ایم سی اے میں جلسے کرتا ہے۔ ''سیاسی'' والے اپنے آپ کو ''اصلی تے وڈا'' حلقہ ارباب ذوق کہتے ہیں اور ادبی والے اس نوعیت کا کوئی دعویٰ نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا ''ادبی'' ہونا ہی کافی ہے۔''۱۳

مارچ ۱۹۷۲ء کو حلقے کی تقسیم سے حلقہ ارباب ذوق میں ٹھہراؤ اور سلوک نہیں آیا بلکہ دونوں دھڑوں نے ادبی وتنقیدی سطح پر بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ اس تحریک کے زیر اثر تنقید نے ابتدا سے لے کر آج تک تنقید کے صحت منداور پختہ انداز فکر کو ابھارنے میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب وتنقید کی ترقی وترویج کی رفتار کو تیز کرنے میں حلقے کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

قیام پاکستان سے قبل اور بعد کی تنقید وادب کے حوالے سے تحریکوں کی کارکردگی کے بارے میں ڈاکٹر شفیق انجم کا نقطہ نظر قابل ستائش ہے:

''بحیثیت مجموعی حلقہ ارباب ذوق، دھیمی رفتار سے چلتی ایک ایسی مسلسل تحریک تھی جس نے ایک طویل عرصے تک اپنا جادو جگائے رکھا۔ تقسیم سے پہلے اور بعد کئی موقعوں پر یہ پلیٹ فارم ادباء کے لیے پناہ گاہ ثابت ہوا۔ حلقہ ارباب ذوق نے جہاں ادیبوں کی فنی تربیت کی وہاں نئے افکار ونظریات کے لیے انھیں ذہنی طور پر آمادہ تیار بھی کیا۔ قیام پاکستان کے بعد رومانیت، ترقی پسندی، پاکستانی اسلامی ادب اور نئی لسانی تشکیلات کی تحریک کا اتار چڑھاؤ بعض صورتوں میں براہ راست اور بعض میں بالواسطہ طور پر حلقے سے اثر پذیر ہوا.....اس حوالے سے یہ کہنا بجا ہے کہ حلقہ ارباب ذوق کے اثرات کسی ایک عہد تک محدود نہیں بلکہ یہ سلسلہ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی سے آخر تک پھیلا ہوا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بحیثیت تحریک، حلقے کی انفرادیت کا زمانہ، آغاز سے ترقی پسند
کے خاتمے تک ہے۔ اس کے بعد حلقے کا سفر جاری تو رہا لیکن وہ سرگرمی، جو ایک بڑے حریف کی موجودگی میں تھی، رفتہ رفتہ اس کے عناصر کم ہوتے چلے گئے''۔۱۴

حوالہ جات

۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور افسانہ نگاری، مکتبہ جامعہ دلی، ۱۹۸۱ ص ۱۹

۲۔ احمد جاوید، پروفیسر، پاکستانی افسانہ مطبوعہ پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال مرتب، ڈاکٹر نوازش علی، گندھارا خالدہ سردار پلازہ سید پور روڈ راولپنڈی، ۲۰۰۲ ص ۲۱۸

۳۔ رشید امجد، ڈاکٹر پاکستانی ادب کے نمایاں رجحانات مطبوعہ پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال ص ۱۸

۴۔ احمد جاوید پروفیسر، پاکستانی ادب کی شناخت، مطبوعہ پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال ص ۳۰

۵۔ آفتاب احمد، ڈاکٹر اشارات، مکتبہ دانیال کراچی، ۱۹۹۶، ص ۱۳۔۱۴

۶۔ علی سردار جعفری، ترقی پسند ادب، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، ۱۹۵۱، ص ۲۶۷

۷۔ خلیل الرحمٰن عظمی، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، ۲۰۰۸ ص ۳۸۱۔ ۲۸۲

۸۔ انور سید ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۹ء ص ۵۳۲

۹۔ بشیر سیفی ڈاکٹر، ترقی پسند ادب مشمولہ ''اوراق'' لاہور، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۵، ص ۳۷۴

۱۰۔ انور سید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں ص ۵۸۹

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ (آغاز سے ۲۰۰۰ تک) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۴۶۳

۱۲۔ منشا یاد، ایک نہایت روشن ادبی تارے کا غروب مشمولہ اخبار اردو اسلام آباد اکتوبر ۲۰۱۰ء، ص ۲۶

۱۳۔ یونس جاوید، ڈاکٹر حلقہ ارباب ذوق، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد ۲۰۰۳، ص ۹۷۰

۱۴۔ شفیق انجم، ڈاکٹر، اردو افسانہ (بیسویں صدی کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کے تناظر میں) یورپ اکادمی ۲۰۰۸، ص ۱۹۰